

فِي مَلَكَتْ رَسُولُكَ أَكْرَمُ

عَنْ نَبِيِّهِ الْهَدِيلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ
اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَكْلٌ وَشَرِبٌ وَذِكْرٌ لِلَّهِ عَزَّوَ جَلَّ)
حَفْرَتْ نَبِيِّهِ الْهَدِيلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَرِيرَتِهِ كَمَا رَوَى
الْمَسْعُودِيُّ فِي شِرْعَانِيَّةِ بَلْقَاسِ: إِذَا دَعَاهُ اللَّهُ عَزَّوَ جَلَّ
كَذَّكَرْ كَذَّكَرْ دَنْ بَلْقَاسِ - (سَلَّمَ)



وَكَانَ
كَايْكَ اِلَمْ سِيقَ

ہر اُمَّہٗ ناچیتا
ڈالیں ۱۰۰۰ روپے

السلام علیکم



لُعْت

ہوں روزِ ازل سے جو میں شیدائے محمد
اس واسطے ہے دل کو تمنائے محمد
وہ سر نہیں جس کو نہیں سودائے محمد
وہ دل نہیں جس دل میں نہیں جائے محمد
خود مرتبہ دان اُن کا خداوندِ جہاں ہے
کیا جانے کوئی رُتبہ والا نے محمد
معراج کی شب پہنچے فلک پر جو شہر دیں
تھا شور فرشتوں میں کہ وہ آئے محمد
ہیں ماہ اگر آپ تو اصحاب ہیں انجم
کس درجہ اعلیٰ پہ ہیں شیدائے محمد
تشبیہ اُسے دیتے ہیں کیوں سرو سے شاعر
طوبی سے ہے بالا قدِ رعنائے محمد
کب ہوگی محبت انہیں خلاقِ جہاں سے
رکھتے نہیں انسان جو تولائے محمد
کیوں کرنہ کروں شکر دلا اُس کا میں ہر دم
ہے جس نے بنایا مجھے شیدائے محمد
(مولانا فتح محمد دہلویؒ)

اللہ تعالیٰ کا شکر ”دینِ اسلام“ پر

الحمد لله رب العالمين

” مدینہ مدینہ“ پڑھنے والے حضرات و خواتین سے یہ پوچھنا ہے کہ

کیا آپ کو میراث کے بنیادی احکامات معلوم ہیں ؟

جب کوئی مسلمان وفات پا جاتا ہے تو اُس کے مال کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا ؟

مرنا بھی سب نے ہے اور جو بھی مرتا ہے کچھ نہ کچھ مال تو چھوڑ جاتا ہے

اس مال کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے جی ہاں اتنا اہتمام کہ کئی رشتے

داروں کے تھوڑے تک خود مقرر فرمادیئے باقی باتیں

حضرت آقا مدنی صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَاٰلِہٖۤ هٰٖ سَلَّمَ

مَرَأْنَا جِنَّا مَلَكَتْهُ ۸۰۰۰ مَلَكَتْهُ

نے سمجھا دیں

مال کی یہ تقسیم ”فرض“ ہے ”فریضۃ من اللہ“ یہ

اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ ”حدود“ میں سے ہے پس جو اس تقسیم کو شریعت کے مطابق جاری

نہیں کرتا وہ بڑا ظلم کرتا ہے وہ کافروں والا کام کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فریضے کو توڑتا ہے وہ

اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا ہے اور وہ دوسروں کے مال پر قبضہ کر کے آگ اور انگارے کھاتا ہے
کھاتا ہے
آج جو ہمارے معاشرے میں ظلم، گناہ، حرام خوری اور مصیبتیں عام ہیں، ان کی ایک بڑی وجہ
.....

میراث کے معاملے میں غفلت ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں "اسلام" کی نعمت عطا فرمائی مگر واپس "جهالت" کی طرف دوڑ رہے ہیں اکثر مسلمانوں کو میراث کے بنیادی احکامات تک معلوم نہیں کئی جگہوں پر عورتوں اور بچوں کو میراث میں سے حصہ نہیں دیا جاتا

ایک بات ہر مسلمان یاد کر لے کہ:

جو حصہ کسی کا اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادیا ہے وہ بس اُسی کا ہے اب جو بھی اس حصے پر قبضہ کرے گا وہ "غاصب" ہو گا چور اور ڈاکو ہو گا اور یہ حصہ کبھی بھی اس کے لئے حلال نہیں ہو گا بلکہ یہ اس کے لئے دنیا اور آخرت کا وہاں بنے گا

اس لئے لازم ہے کہ ہم میراث کے بنیادی احکامات سیکھیں ان کو مسلمانوں میں عام کریں اور ان پر مضبوطی کے ساتھ عمل کریں

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض لوگ تمام عمر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہتے ہیں لیکن موت کے وقت میراث میں وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں ایسے افراد کو اللہ تعالیٰ سیدھا جہنم میں پہنچا دیتے ہیں (مشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم فرائض (یعنی میراث کا علم) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے بلاشبہ اسے بھلا دیا جائے گا اور میری امت سے یہی علم سب سے پہلے اٹھایا جائے گا (ابن ماجہ)

آہ افسوس آج کسی جگہ ایک ہزار مسلمانوں کو جمع کریں اور ان سے میراث کے بنیادی احکامات پوچھیں تو امکان ہی ہے کہ کسی ایک کو بھی معلوم نہیں ہوں گے ویسے بتیں بہت ہر موضوع پر تبصرے بہت مگر جس مسئلے پر قرآن مجید نے ایک ایک جزئی کھول کر بیان فرمائی بار بار تاکید فرمائی اس مسئلے کا ہزار میں سے ایک مسلمان کو بھی علم نہیں ہے حالانکہ سب نے مرنا ہے ہر کوئی کسی نہ کسی کا وارث بنتا ہے مال کا معاملہ بہت احتیاط والا ہے مگر پھر بھی یہ غفلت

اَنَّا لِلَّهِ وَ اَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

دیکھیں حضرت آقamedنی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ارشاد فرماری ہے ہیں فرمایا:

"تم علم فرائض (یعنی میراث کا علم) سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ میں دنیا سے جانے والا ہوں اور

بلاشبہ غریب علم اٹھا لیا جائے گا۔ اور بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے۔ یہاں تک کہ دوآدمی میراث کے حصے کے بارے میں جھگڑا کریں گے (یعنی ان میں اختلاف ہوگا) اور انہیں ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جوان کے درمیان اس کا فیصلہ کرے۔“ (المستدرک)

میراث کا علم کوئی مشکل علم نہیں ہے.....ٹھیک ہے اگر آپ اس کی تفصیلات اور جزئیات نہیں سیکھ سکتے تو وہ ”علماء کرام“ سے پوچھ لیں.....مگر بنیادی باتیں تو آپ ایک دن میں سیکھ سکتے ہیں.....یاد کر سکتے ہیں.....مثلاًجو آدمی وفات پا جاتا ہے.....اس کے مال کو فوراً ہر طرح کے خرچ سے روک دیا جائے.....کیونکہ اب اس مال کے مالک اس کے ورثاء بن چکے ہیں.....دوسری بات یہ کہ.....وفات پانے والے شخص کی ملکیت میں جو کچھ بھی ہوگا.....وہ سب ”شرعی قانون“ کے مطابق تقسیم ہوگا..... حتیٰ کہ اس کی جیب میں جو چھوٹی موٹی چیزیں ہوں وہ بھی..... تقسیم سے پہلے کوئی نہیں لے سکتا..... حتیٰ کہ ایک الاچھی کا دانہ بھی.....اسی طرح کسی کو یہ حق نہیں کہ اس مال میں سے.....مہمانوں کے لئے چاول پکائے یا غریبوں میں بانٹے.....

خلاصہ یہ کہ.....اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے ہوئے.....اس سارے مال کو جمع کیا جائے.....اب اس میں پہلا حق.....میت کے کفن دن کا ہے.....درمیانی درجے کا کفن دن.....اس کا انتظام میت کے مال سے کیا جا سکتا ہے.....کوئی اور اگر اپنی خوشی سے دے تو اچھی بات ہے کوئی حرج نہیں.....جبکہ بیوی کا کفن دن خاوند کے ذمہ ہے.....کفن دن کے بعد.....اب قرضوں کو دیکھا جائے گا.....وفات پانے والے نے اگر اپنی بیوی کا حق مہر ادا نہیں کیا..... یا اس پر کوئی اور قرضہ ہے تو وہ اس مال سے ادا کیا جائے گا.....اگر کفن دن کے بعد اتنا مال نہ بچا کہ.....قرضے ادا ہوں تو اب.....ورثاء کے ذمہ نہیں ہے کہ وہ قرضہ ادا کریں.....قرض خواہوں کو اختیار ہے کہ وہ..... یا تو قرضہ معاف کر کے..... آخرت کا بڑا اجر کما سکیں..... یا پھر.....معاف نہ کریں اور معاملہ قیامت پر چھوڑ دیں..... قیامت کے دن اس قرضے کا حساب ہوگا..... نیکیوں اور گناہوں کے تبادلے سے..... یا اللہ آپ کی پناہ..... قرضہ ادا کرنے کے بعد اب دیکھا جائے گا کہ میت نے کوئی وصیت کی ہے یا نہیں؟..... اگر وصیت کی ہو..... اور جن کے لئے وصیت کی ہے وہ شرعی وارث نہ بننے ہوں تو..... مال کے تھائی حصے سے وصیت پوری کی جائے گی..... اسی طرح اگر اس نے اپنے شرعی حقوق کی وصیت کی ہو..... مثلاً جو فرض ادا نہیں کیا وہ کرا دیا جائے..... کئی سال زکوٰۃ نہیں دی..... وہ ادا کردی جائے..... فرض روزے نہیں رکھے اُن کا فدیہ دیا جائے تو یہ سب وصیتیں..... مال کے تیسرے حصے سے پوری کی جائیں گی..... یعنی سب سے پہلے تین کام

تین خرچے:

(۱) کفن دفن

(۲) قرضہ

(۳) وصیت

اب ان تین کاموں کے بعد جو مال بچے گا وہ ”ورثاء“ میں تقسیم ہو گا..... ورثاء مرد ہوں یا عورتیں بچے ہوں یا بوڑھے پیدا ہو چکے ہوں یا حمل میں ہوں فرمانبردار ہوں یا نافرمان بس شرط یہ کہ مسلمان ہوں ماں، باپ، بیٹا، بیٹی خاوند، بیوی وغیرہ پھر بعض رشتہ داروں کو تو ہر حال میں حصہ ملتا ہے جبکہ دوسرے بعض کو بعض صورتوں میں ملتا ہے اور بعض میں نہیں مثلاً دادا اگر میت کے والد زندہ ہوں تو دادا کو کچھ نہیں ملتا لیکن اگر والد زندہ نہ ہوں تو دادا کو حصہ ملتا ہے یہی حال بہن بھائیوں وغیرہ کا ہے کہ ان کو بعض صورتوں میں حصہ ملتا ہے اور بعض میں نہیں مگر والدین اور اولاد اور خاوند یا بیوی کو ہر حال میں ضرور ملتا ہے یہ تمام مسائل بہت آسان ہیں اور ان کو سیکھے بغیر ہم پورے قرآن مجید کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔

چونکہ ”علم میراث“ نہ سیکھنے اور اسے فراموش کرنے پر وعدید یہ بھی آئی ہیں تو اس لیے اہل علم نے ہر زمانے میں اس علم پر خاص محنت کی ہے اور زمانے کے حالات کو سامنے رکھ کر آسان سے آسان الفاظ میں یہ علم سکھانے کی ترتیب بنائی ہے الحمد للہ مسلمانوں کو ملنے والے قانون وراثت نے دنیا کے معاشی نظام کو بدل کر رکھ دیا تھا دنیا میں ارتکازی نظامِ معيشت چل رہا تھا زیادہ سے زیادہ مال بس چند افراد میں گھومتا رہے اور ہر آئے دن ان کے سرمائے میں ہوش بر اضافہ ہوتا چلا جائے اسی غلط اور ظالمانہ نظام کو بچانے کے لیے ہر باطل مذہب نے ”قانون وراثت“ بھی اسی کے مطابق بنارکے تھے یہودیوں کے ہاں ساری وراثت کا وارث ”بڑا بیٹا“ ہوتا تھا تاکہ دولت ایک جگہ گلکی رہے ہندوؤں نے تو ظلم کی انتہا کر دی کہ عورتوں کو بالکل وراثت سے محروم کر دیا عربوں کے زمانہ جاہلیت میں وراثت کے اپنے قانون تھے جس کے تحت مال کے وارث صرف وہ مرد بنتے تھے جو اُسکیں اور دفاع کر سکیں عورتیں بھی محروم بچے بھی محروم وراثت کے بارے میں یہ سارے غلط قانون معاشرے میں خون کی طرح رچ بس چکے تھے جب اسلام آیا تو اس نے ” مدینہ مدینہ“ میں اپنا معاشی نظام پیش فرمایا ارتکاز

نہیں..... تقسیم دولت کا نظام ہر فرد خوشحال اور مالک اور ریاست بھی خوشحال اور مستخدم مال ہے تو ضرور اس کا کوئی مالک بھی ہو اور مال چونکہ ضرورت ہے تو یہ مسلسل چلتا رہے، گھومتا رہے اس طرح یہ پاک رہے گا اور زیادہ سے زیادہ افراد کو سیراب کرے گا رسومات بہت گہری تھیں تو ” مدینہ مدینہ“ میں تدریج اور ترتیب کے ساتھ ان رسومات کو توڑا گیا دلوں کو پاک کیا گیا اور آخر میں وراشت کا اٹل قانون نافذ فرمادیا گیا تب ساری دنیا کی آنکھیں کھلیں

مسلمان تو خیر اس قانون کے مکمل پابند اور شیدائی تھے ہی غیر مسلموں نے بھی اس قانون کے بہت سے حصے لئے اور اپنے علاقوں اور ملکوں میں نافذ کئے ماخی کے زمانے گزر چکے ماخی میں اچھا کرنے والے اپنے ساتھ اچھائی کے ذخیرے لے گئے اور بڑا کرنے والے اپنے سروبال کے بورے لاد گئے اب ہمارا زمانہ ہے اور ہم سے صرف ہمارے اعمال کی پوچھ ہوگی الحمد للہ قرآن مجید ہمارے پاس محفوظ ہے حدیث شریف محفوظ ہے قانون و راشت محفوظ ہے اس قانون کو یاد کرنا، سیکھنا اور آگے سکھانا اب ہماری ذمہ داری ہے اور اس قانون کو نافذ کرنا ہم پر فرض ہے جہاد کی برکت سے اسلام اب تیزی سے پھیل رہا ہے آج ہی نیت کریں اور ترتیب بنائیں کہ ہم اس قانون کو سیکھیں گے پورا مکمل یا صرف ضروری ضروری اور ہم اپنے مال میں اسے مکمل تاکید اور اہتمام سے نافذ کریں گے ان شاء اللہ

پہمیں وہ ملا ہے ، پہمیں وہ ملے گی
وہی جو دلا ہے میرینہ
مسلمان اگر ہے ، تو دنیا سے کہ ہے
میرا مرنा جینا میرینہ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ

اللهم صل و سلم و بارك على سيدنا محمد و على آله و صحبه و بارك و سلم تسلیما کثیرا

کثیرا

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ

☆.....☆.....☆

اللہ تعالیٰ کی کتنی بے پایاں رحمت اور بے بدل احسان ہے کہ ہمیں آپس میں ملاقات اور بات چیت کے لئے بھی اپنا مبارک نام عطا فرمایا اور نام بھی کیسا؟..... دنیا و آخرت میں سلامتی کا ضامن ”السلام“.....

نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارک پڑھئے: ”السلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے، جو اس نے تمہارے درمیان رکھ دیا ہے، اسے باہم خوب پھیلاو“.....

یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں سے ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ کی ہر نماز کے بعد کی دعاء یوں منقول ہے: اللهم

انت السلام ومنك السلام (

الحدیث) ”اے اللہ! آپ

”السلام“ ہیں اور آپ کی

طرف سے ہی سلامتی

ہے“.....

اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا

کہ فرشتوں کی ایک جماعت

کے پاس جا کر انہیں سلام

کریں۔ وہ جو جواب دیں، بس وہی آپ

کی اولاد کا باہمی سلام و جواب ہوگا.....

حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو کہا: السلام علیکم، جواب میں فرشتوں نے کہا: السلام علیک

ورحمۃ اللہ (بخاری) یوں سلام و جواب مقرر ہو گیا.....

پھر ہمیں قرآن مجید میں تاکید سے حکم دیا گیا کہ ہم اسے عام کریں اور باہم رواجدیں.....



ترجمہ: مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسراے (لوگوں کے) گھروں میں گھروں والوں سے اجازت لئے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم) یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ شاید تم یاد رکھو۔ (سورہ نور آیت ۲۷)

اور فرشتوں کے اسی عمل کو اختیار کرنے کا بھی حکم کہ جواب بڑھا کر دیں۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سلام کا جواب بڑھا کر دیا۔

ترجمہ: اور جب تم کو کوئی دعا دے تو (جواب میں) تم اس سے بہتر (کلمے) سے (اسے) دعا دو یا انہیں لفظوں سے دعا دو۔ پیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے (سورۃ النساء ۸۶)

نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا: اسلام میں بہترین عادات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کرو، اسے جانتے ہو یا نہیں.....

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، رشتہ دار یا جوڑ کر رکھو، اور راتوں کو جب لوگ سوتے ہوں اٹھ کر نماز پڑھو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل کر دیئے جاؤ گے۔

اور ایک روایت میں جنت کے ضامن ان اعمال کا تذکرہ یوں آیا ہے: اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ اور کفار کی گرد نیں اڑاؤ، جنتوں کے مالک بن جاؤ گے.....

اسلامی طریقہ اور شعار یہ ہے کہ دو مسلمان جب بھی آپس میں ملیں تو بات چیت سے پہلے ایک دوسرے کو سلام کریں۔ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ لوگ سلام کیا کرتے تھے مگر جب بے تکلفی ہو جاتی اور کسی سے میل جوں بڑھ جاتا اس سے سلام کرنا اور گھر آنے سے پہلے دستک دے کر اجازت طلب کرنا بند کر دیتے تھے..... یوں جب کسی دوست یا رشتہ دار کے گھر جاتے تو اندر جا کر بتاتے کہ میں آگیا ہوں۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی لوگوں نے ایسا معاملہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا۔

شریعت میں ”استیزان“، یعنی کسی کے گھر داخل ہونے کے لئے دستک دینا اور اجازت طلب کرنا لازم قرار دیا گیا اور اس کی سخت تاکید وارد ہوئی اور آشنائی کے بعد سلام ترک کر دینے کی روشن کی بھی

حوالہ شکنی کی گئی تاکہ اسلامی معاشرے میں سلامتی کی دعا اور محبت کے اس تحفے کا رواج برقرار رہے اور ماحول اس کی وجہ سے برکت اور سلامتی سے پُر رہے۔

اس لئے فرمایا: ”جو شخص تم سے سلام کئے بغیر کلام شروع کر دے اسے جواب نہ دو“.....
ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے تخلق کریں یعنی انہیں اپنا نہیں اور سلام اللہ تعالیٰ کا اسم شریف بھی ہے اور عمل بھی..... یوں اسے اپنا کر ہم گویا اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانے والے بن جائیں گے۔ ”سلام فرمان ہو گارب رحیم کی طرف سے“ (یہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو انہی الفاظ میں خوش آمدید کہا جائے گا۔

ہمیں نبی کریم ﷺ کی مبارک عادات کو اپنانے کا حکم ہے اور سلام کرنا آپ ﷺ کی دائمی عادت مبارکہ بھی ہے اور تاکیدی حکم بھی۔ ”تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ بن جاؤ اور (کامل) مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جسے کرنے لگو تو تمہاری آپس میں محبت ہو جائے؟.....“ باہم سلام کو عام کرو“.....

حضرات صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بھی تشریف لاتے سلام فرماتے اور اگر مجلس بڑی ہوتی تو تین بار دہراتے تاکہ ہر طرف کے لوگوں کو آواز چلی جائے۔ حتیٰ کہ رات کو آخری پھر جب آپ مسجد میں تشریف لاتے تو بھی اتنی آواز میں سلام فرماتے کہ جا گئے والے سن لیں اور سننے والوں کی نیند میں خلل نہ آئے۔

اور دیکھئے یہ تو زندوں کے ساتھ معاملہ ہوا۔ نبی کریم ﷺ کا گذر جب قبور پر ہوتا تو ان مسلمانوں کو بھی سلام کے لفظ سے، ہی خطاب فرماتے جو دنیا سے جا چکے ہیں۔ ”السلام عليکم دار قوم مونین“، اور آپ ﷺ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتشار تھا: ”(اے نبی) جب آپ کے پاس ایمان والے آئیں تو کہئے ”سلام عليکم“، (الانعام) اس لئے آپ ﷺ نے سلام کی عادت کو اختیار فرمایا اور اپنی امت کو ہمیشہ رحمت کی اس دعا سے نوازا۔

صحابہ کرام کو اشتیاق رہتا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی اس دعا کو زیادہ سے زیادہ حاصل کریں،

اس لئے بسا اوقات جب آپ ﷺ کے گھر تشریف لے جا کر دستک دیتے اور سلام کر کے اندر آنے کی اجازت طلب فرماتے، تو اہل خانہ اس نیت سے کہ آپ ﷺ بار بار انہیں سلام فرمائیں، جان بوجھ کر آہستہ جواب دیتے تاکہ آپ ﷺ تک آواز نہ پہنچے اور آپ بار بار سلام فرمائیں۔

فرشته اللہ تعالیٰ کی مقرب اور نورانی مخلوق ہیں۔ ہر طرح کی نافرمانیوں سے پاک اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول۔ سلام کہنا ان کا بھی عمل ہے، یوں سلام کہنے والا ملکوتی صفات سے بھی متصف ہو جاتا ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں ان کا عمل مذکور ہے۔ دنیا میں جب وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے تو کیا کہا؟ ”جب وہ (ابراہیم) کے گھر آئے تو کہا (سلاماً) سلامتی ہوتم پر“ (الذاریات) اور آخرت میں اہل جنت سے وہ کس طرح مخاطب ہوں گے؟ ”سلام علیکم طبتم“ ”سلام علیکم بما صبرتم“ اور پھر دیکھئے! جنت میں سلام کا ماحول ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام، فرشتوں کی طرف سے سلام اور آپس میں بھی ہر وقت سلام سلام.....

ترجمہ: ”(اور یہ اہل جنت) نہیں سنیں گے جنت میں فضول بات اور نہ ہی گناہ کی بات، مگر ہر طرف کہا جانا سلام سلام۔“ (سورۃ الواقعہ) یعنی سلام ہی سلام ہو گا، کوئی لغو اور بری بات نہ ہو گی۔

اب سوچئے جو معاشرہ سلام سلام کی آواز میں گونجتا رہے اور اس میں سلام کاررواج ہو جنت نظیر بن جائے گا یا نہیں؟..... ایک ایسا معاشرہ جو باہمی دشمنیوں سے اٹا ہوا، قتل و غارت اور بغض و عناد سے بھرا ہوا تھا، اس میں سلام کا چلن ہوا تو وہی معاشرہ قیامت تک کے لئے محبت، ایثار اور اخوت کی بے مثل مثال بن گیا اور آج ہر طرف سلامتی سے محرومی ہے، حسد، بعض اور عناد کا دور دورہ ہے، نفرتوں کا چلن ہے اور دل کٹے ہوئے ہیں۔ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کے اس عظیم تحفے کی ناقدری نہیں تو اور کیا ہے؟.....

گھروں میں سلام کاررواج نہیں، ایک ماحول میں رہنے والے لوگ کچھ دنوں بعد ایک دوسرے کو سلام کرنا بند کر دیتے ہیں، بالکل دور جاہلیت کے طریقے کے مطابق، مساجد و مدارس میں سلام کا عمل متروک ہوتا جا رہا ہے، بے دین لوگوں کو تو چھوڑ دیتے، اہل دین بھی اس باب میں شدید تسابیل کا شکار نظر آ رہے ہیں اور ہم سب اس غفلت کی وجہ سے کتنی نعمتوں سے محروم ہو رہے ہیں اس کا ہمیں ادراک و شعور

بھی نہیں۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سلام کا کتنا اہتمام تھا اور اس عمل کی ان کی نظر میں کتنی اہمیت تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعے سے لگا جائے۔ طفیل بن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مجھے اپنے ساتھ بازار چلنے کا حکم فرمایا کرتے اور بازار جا کر ہر دوکاندار، ہر مسکین اور ہر خریدار کو سلام کرتے۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بازار چلنے کا فرمایا؟ میں نے عرض کیا: آپ بازار جا کرنے کچھ خریدتے ہیں، نہ اشیاء کی قیمت معلوم کرتے ہیں اور نہ دوکانداروں کے پاس بیٹھتے ہیں تو پھر بازار جانے کا مقصد؟ آپ یہیں بیٹھئے ہم ادھر ہی باتیں کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: موٹے بھائی (مزاحاً نہیں اس لقب میں پکارا) ہم بازار جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کو سلام کریں۔ جو بھی ملے گا اس سلام کر کے لوٹ آئیں گے۔ دیکھئے! حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اس عمل کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے بازار تشریف لے جا رہے ہیں اور سوائے سلام کے کوئی اور کام درپیش نہیں اور ہم کہیں جانا تو دور کی بات، اپنے ماحول میں رہتے ہوئے بھی اس فضیلت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ آئیے! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پسندیدہ عمل کو فروغ دیں اور سلامتی والا معاشرہ اور محبت والا ماحول پا لیں۔ غفلت کو ترک کریں، اس عمل پر نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ وقت۔ پھرستی کی کیا وجہ؟.....

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکات

☆.....☆.....☆

قریبی

کا ایک اہم حق



قربانیوں کا موسم آپنچا ہے اور اہل ایمان، اللہ تعالیٰ کی رضاۓ کیلئے قربانی پیش کرنے کی تیاریاں بڑے ذوق و شوق سے کر رہے ہیں اور ایسا کیوں نہ کریں کہ ان کے کانوں میں تو اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک گونج رہا ہے:

ما عمل ابن آدم من عمل يوم النحر احب الى الله من اهراق الدم و انه لياتي يوم القيمة بقرونها
واشعارها و اظلافها و ان الدم ليقع من الله بمكان قبل ان يقع بالارض فطبيوا بها نفساً (سنن الترمذی)
(كتاب الاضاحی)

”یوم نحر یعنی عید الاضحیٰ کے دن انسان کا کوئی عمل، اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ لہذا تم لوگ خوشی خوشی قربانی کیا کرو۔“

اس آخری جملے کو بار بار پڑھیں ”تم خوشی خوشی قربانی کیا کرو“ یہ کتنا میٹھا اور پیارا جملہ ہے، بالکل ایسا لگتا ہے جیسے منہ میں مٹھائی آگئی ہو۔

محبوب حقیقی جلس شانہ کی بارگاہ میں قربانی پیش کرنا، کتنا پیارا اور دلکش کام ہے، یہ تو کسی محب صادق اور سچے عاشق سے پوچھیں۔ مادی فلسفوں کے مارے ہوئے، دل کے اندھے، بے چارے اس کی لذت اور مزے کو کیا جائیں۔ سچے عاشق کی توبیہ طلب اور ترڈ پ ہوتی ہے کہ کس طرح میں اپناسب کچھ محبوب پر نثار کر دوں، کس طرح میرا محبوب مجھ سے راضی ہو جائے چاہے اس کے بد لے مجھے اپنی جان، اپنا مال اور اپناسب کچھ ہی کیوں نہ قربان کرنے پڑے۔ محب صادق کے دل سے تو ہمیشہ یہی صدا آتی ہے:

”نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز“

(اپنی قیمت بڑھادیں کہ ابھی تو محبت کا سودا استتا ہے)

آخر کیا بات تھی کہ دونوں جہانوں کے سردار، ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمایا کرتے تھے: ”قسم ہے اُس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔“ (صحیح البخاری) یہ ہے سچی محبت اور حقیقی عشق کہ محبوب کی رضا کیلئے سب کچھ قربان کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس محبت کا کوئی حصہ عطا فرمادیں تو زہ نصیب۔

قربانی دینے والے وہ اپنی جان کی قربانی ہو یا اپنے جانور کی، کس خوشی سے، کسی مسٹی سے اور کیسے محبت سے جھوم جھوم کر قربانی پیش کرتے تھے، اس کی ایک ایمان افروز مثال سیدنا حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعا ہے۔

مدینہ منورہ کے پڑوں میں اُحد کا میدان سجا ہوا ہے۔ ایک طرف نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سات سو جال شاروں کے ساتھ کھڑے ہیں تو دوسری طرف ابوسفیان (جو بعد میں سیدنا حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بنے) اپنے لشکر کے ساتھ خیمه زن ہے، جس کی تعداد تین ہزار سے بھی متباہز ہو رہی ہے۔ اسلام اور کفر کا معمر کہ برپا ہونے ہی والا ہے کہ اتنے میں حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی اور دوست حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں: ”آؤ سعد! ہم دونوں اللہ تعالیٰ سے دعائیں۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں کسی گوشہ میں سب سے علیحدہ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ پہلے میں نے دعاء مانگی: ”اے اللہ! آج میرا ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو نہایت شجاع اور دلیر اور نہایت غضبناک ہو۔ کچھ دیر میں اس کا مقابلہ کروں اور وہ میرا مقابلہ کرے۔ پھر اس کے بعد اے اللہ تعالیٰ! مجھے اس پر فتح نصیب فرمائیاں تک کہ میں اسے قتل کر دوں۔“

حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور پھر انہوں نے یہ دعاء مانگی: ”اے اللہ! آج میرا ایسے دشمن سے مقابلہ ہو جو بڑا ہی سخت زور آور اور غصب ناک ہو میں محض تیرے لیے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے قتال کرے بالآخر وہ مجھے قتل کر دے اور میری ناک اور کان کاٹے اور اے پروردگار! جب میں تجھ سے ملوں اور تو پوچھے: اے عبد اللہ! یہ تیرے ناک اور کان کہاں کٹے تو میں عرض کروں اے اللہ! تیری اور تیرے پیغمبر کی راہ میں اور تو اس وقت یہ فرمائے تو نے سچ کہا۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی دعاء میری دعاء سے بہتر تھی اور میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کا ان ایک دھاگے میں لٹکے ہوئے ہیں۔ (المستدرک، کتاب الجہاد)

اے ایمان والو! قربانی دینے والے ایسے ہوتے ہیں اور یوں ذوق و شوق سے اپنے رب جل شانہ سے اپنی جانوں کے سودے کرتے ہیں۔ قربانی کی تاریخ نامکمل رہے گی اور عشق ووفا کی داستانیں ناقص رہیں گی، اگر ایک سچ عاشق کا تذکرہ نہ کیا جائے اور ان کی بے مثال قربانی کا منظر نہ پیش کیا جائے۔ یہ سیدنا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں مشرکین مکہ نے دھوکے سے گرفتار کر لیا اور مکہ مکرمہ لے آئے۔

کچھ عرصہ تک قید میں رکھنے کے بعد مشرکین مکہ ان کو حرم سے باہر لائے اور سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش پوچھی؟ انہوں نے فرمایا مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ میں دور کعت نماز پڑھوں۔ انہوں نے دور کعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا: ”اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھو گے کہ میں موت سے ڈر کی وجہ سے زیادہ دیر کر رہا ہوں تو میں اور لمبی نماز پڑھتا۔“

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ ایک اچھا طریقہ جاری فرمایا کہ قتل کے وقت دور کعتیں پڑھی جائیں۔ اس کے بعد ہر مسلمان کے لئے یہ طریقہ مسنون ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت خبیبؓ نے یہ دعاء کی: یا اللہ! کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو میر اسلام تیرے رسول پاک ﷺ کو پہنچائے لہذا آپ سلام پہنچا دیجئے۔ چنانچہ اسی دن حضرت جرجیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو خبیب رضی اللہ عنہ کا سلام پہنچا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وعلیک السلام یا خبیب“

آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ خبیبؓ کو قریش نے قتل کر دیا۔ قتل کے بعد چالیس دن تک سولی پر جسم کو لٹکائے رکھا، زخموں سے خون جاری تھا جس سے مشک کی خوشبو آرہی تھی۔

جب حضرت خبیبؓ کو زندہ سولی پر لٹکایا گیا تو آپ نے کفار کے حق میں یہ بد دعا کی:

اللهم احصهم عدداً او اقتلهم بدد او لا تبق منهم احداً

(اے اللہ! ان میں سے ہر ایک کو تو اپنے شمار میں رکھا اور ہر ایک کو الگ الگ قتل فرماؤ اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑنا)

حضرت خبیبؓ کو سولی پر لٹکا کر جب نیزے سے ان کا بدن چھلنی کیا گیا تو اس وقت ان سے کافروں نے قسم دے کر پوچھا: ”کیا تھے یہ پسند ہے کہ تیری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں؟“

حضرت خبیبؓ نے جواب دیا: ”واللہ العظیم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ چھوٹ جاؤں اور اس کے بد لے میں میرے آقا (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے مبارک قدم میں ایک کانٹا بھی چھجھ جائے۔“

جب یہ عاشق صادق، سولی پر چڑھا دیئے گئے اور کفار ان کے جسم مبارک کو نیزوں سے چھانی کرنے کیلئے آگے بڑھتے تو یہ خوشی سے جھومتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

فلست	ابالی	حین	اقتل	مسلمما
علی	ای	شق	کان	الله
ذلک	فی	ذات	الا	له
یمارک	علی	اوصال	شلو	ممزع

”جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کیا پرواہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کس پہلو پر گر کر تڑپتا ہوں۔ میری یہ (قربانی کی) حالت تو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہے جو چاہے تو نکڑے نکڑے کیے ہوئے جسم کے حصوں میں بھی برکت دے دے۔“ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب غزوة الربيع۔ الشفاء فی معرفة حقوق المصطفی)

اب تو ہمیں قربانی کی لذت اور سرشاری کا کچھ اندازہ ہو گیا ہوگا اور ہم سمجھ چکے ہوں گے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ جانور کیوں ہمارے ہاتھوں سے ذبح کروائے جاتے ہیں۔ اس قربانی کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ ہم خود جب جانور کی گردان پر چھپری چلا کیں تو ہماری زبان اور ہمارے دل پر یہی صد اجاری ہو:

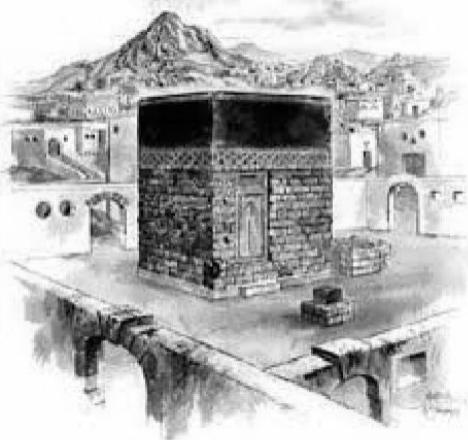
ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین

”بے شک میری نماز اور میری تمام عبادتیں، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

اسی ایک جملے میں بندگی کے جذبے کا اظہار بھی ہے اور قربانی کے فلسفے کا بیان بھی۔ یہی سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا وہ نظریہ تھا، جس کی بناء پر ان کی طرف سے کی گئی قربانی قیامت تک، مادی فلسفے کے اندر ہیروں میں بھٹکنے والوں کیلئے مینارہ نور اور نشان منزل بن گئی۔



اُفْضَلْ تَرِينْ اَيَامْ



اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں۔ بندوں کے پاس جتنی بھی ظاہری و باطنی اور جسمانی و روحانی نعمتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی عطا اکر دہ ہیں اور پھر اس میں بھی مکالیہ ہے کہ وہ سب بندوں کے ہی نفع کے لیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خود عنی ہے، بے نیاز ہیں، بندے سر اپا محتاج ہیں اور بندوں کی اسی محتاجی کے پیش نظر رب کریم نے انعامات کی بارش بر سار کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گنتے کی کوشش کی جائے تو کبھی بھی اُن نعمتوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

انہی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں جنہیں خود نبی کریم ﷺ نے دنیا کے افضل ترین ایام فترار دیا ہے۔

ان افضل ترین ایام کو کس طرح قیمتی بنایا جائے؟ اگر کوئی محلاص ہو اور سجادہ دار ہو، اور اپنی آہنگت کے لیے حقیقی طور پر فنکر مند ہو تو وہ کئی مقبول طریقے اپنا سکتا ہے اور اہل علم سے بھی رہنمائی لے سکتا ہے۔ چنانچہ بعض اہل علم نے ان ایام کو قیمتی بنانے کے لیے درج ذیل اعمال کی ایک ترتیب پیش کی ہے۔ اگر بندہ اسی کو اپنا لے تو ان شاء اللہ بہت کچھ دامن بھر جائے گا اور ان اعمال کے اہتمام سے ان شاء اللہ اس عشرہ کی برکات بڑی حد تک حاصل ہو جائیں گی:

پانچ وقت باجماعت نمازوں کا اہتمام کریں (خواتین گھر میں اول وقت میں ادا کریں)

ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کریں ورنہ محنت کے باوجود عبادات کا نور اور حقیقی نفع حاصل نہیں ہو گا بلکہ خصوص اپنی نظرروں اور زبان کی حفاظت کریں۔

ذو الحب کا حپاند دیکھنے سے لیکر فتر بانی کرنے تک اپنے جسم کے بال اور ناخن نہ تراشیں۔ یہ مستحب عمل ہے۔

فترض نمازوں کے بعد تسبیح فنا طمی (تینتیس مرتبہ سجان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، چونیس مرتبہ اللہ اکبر۔

کم از کم یوم عرف یعنی نو ڈا الحب کاروزہ، ورنہ اس عشرے میں جتنے روزہ رکھ سکیں اتنا بہتر۔

مسجد میں نماز کے علاوہ کچھ وقت بیٹھ کر اور اسی طرح عام کاموں کے لیے حپلے پھرتے زیادہ سے زیادہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر و اللہ الحمد کا اور دکر تے رہیں۔

حپلے پھرتے زیادہ سے زیادہ تیسرے کلمے کا ورد: سجان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ ولا اللہ اکبر (ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) ان دنوں میں درود شریف کا بکثرت ورد۔

کم از کم دس پندرہ منٹ روزانہ ترتیب سے تلاوت فتر آن کا اہتمام۔ نماز مغرب میں تین فترض، دو سنت اور دو نقل کے بعد دو نقل مزید نمازِ اوایبین کی نیت سے ادا کر لیں۔

نماز عشاء میں چار فترض، دو سنت کے بعد وتر سے پہلے دو یا چار رکعات تہجد کی نیت سے ادا کر لیں اسکے بعد وتر ادا کر لیں۔ اگر رات میں توفیق ہو جائے تو مزید رکعات تہجد ادا کر لیں لیکن عشاء کے ساتھ ادا کرنے سے کم از کم تہجد سے محرومی نہیں ہوگی۔

حسب استطاعت صدقہ و خیرات، اور رات کو سونے سے پہلے تسبیح فنا طمی، درود شریف، استغفار اور دعا۔

اور سب سے بڑھ کر کوشش کریں کہ اپنی زبان یا کسی کی عمل سے کسی دوسرے کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچ اور پہنچ جائے معافی مانگنے میں دیر نہ کریں۔ یاد رکھیں، اللہ کے بندوں کو تکلیف پہنچا کر اللہ کی رضا کا حصول ناممکن ہے۔

عشرہ ذی الحجه کے بعض اہم فضائل

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما العمل فی ایام افضل من هذه) قالوا: ولا الجهاد؟ قال: ولا
الجهاد إلا رجل خرج يخاطر نفسه و ماله فلم يرجع بشيء.

ترجمہ: (ذی الحجه) کے دنوں میں کئے گئے اعمال سے کوئی عمل افضل نہیں۔
صحابہؓ نے عرض کی: جہاد بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جہاد بھی نہیں، مگر وہ شخص جو اپنی جان اور مال لے کر اللہ کے رستے میں نکلا اور کسی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹا۔ (صحیح البخاری)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من ایام اعظم عند الله ولا احب إليه العمل فيهن من هذه
الايات العشر فلأكثر وفيهن من التهليل والتكبير والتحميد
ترجمہ: اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ کوئی دن برتر نہیں اور نہ ہی ان ایام میں کئے گئے اعمال سے کوئی عمل زیادہ پسندیدہ ہے۔ پس ان دنوں میں کثرت کے ساتھ اللہ کی تہلیل، کبریائی اور تعریف کرو۔ (مسند احمد)



قرآنی کے بعض اہم فضائل

1) عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال: قال اصحاب رسول

اللہ ﷺ: يا رسول اللہ! ما ہذہ الا ضاحی؟ قال: سنة ابیکم ابراہیم

علیہ السلام، قالوا: فما النافیہ یا رسول اللہ؟ قال: بكل شعرة حسنة،

قالوا: فالصوف؟ یا رسول اللہ؟ قال: بكل شعرة من الصوف حسنة“

ترجمہ: ”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ

رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: تمہارے باپ

ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ (یعنی اُن کی سنت) ہے، صحابہ نے عرض کیا: پھر اس میں

ہمارے لیے کیا (اجر و ثواب) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (جانور کے) ہر بال کے

بد لے ایک نیکی، انہوں نے عرض کیا: (دُنْبَهٗ وَغَيْرَهٗ أَگر ذَنَحَ كَرِيسْ تَوْأَنْ كَيْ) اُون (میں

کیا ثواب ہے؟) فرمایا: کہ اُون کے ہر بال کے بد لے ایک نیکی۔“ (مشکوٰۃ)

2) ”عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: یا ایها الناس!

ضحووا و احتسبوا بدمائہما، فان الدم وإن وقع في الارض، فإنه يقع

في حرز الله عز و جل۔“

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے

لوگو! تم قربانی کرو اور ان قربانیوں کے خون پر اجر و ثواب کی امید رکھو، اس لیے کہ (اُن

کا) خون اگرچہ زمین پر گرتا ہے لیکن وہ اللہ کے حفظ و امان میں چلا جاتا ہے۔“

(الترغیب والترہیب)